بُرہان

جلد سبت و دہم شمارہ نمبر ۱

جنوری ۱۹۵۳ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ

آہ مفتی اعظم ہند!

واحسرتا! ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء کو شب کے ساڑھے دس بجے یعنی ٹھیک اس وقت جبکہ ایک سال شمسی اپنی حیاتِ دوازدہ ماہ کی مقررہ مدت پوری کر کے ہمیشہ کے لئے گوشۂ عدم میں آسودۂ سکون ہو جانے کی تیاری کر رہا تھا علم و عمل کے آسمان کا ایک آفتابِ عالمتاب غروب ہو گیا۔ یعنی حضرتنا الاستاذ مولانا الحاج المفتی محمد کفایت اللہ الدہلوی نے اسّی سال کی لگ بھگ عمر میں داعیِ اجل کو لبیک کہہ کر جان جانِ آفریں کے سپرد کی! انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحب کا وجودِ گرامی اپنی چند در چند علمی و عملی خوبیوں اور گوناگوں دماغی و اخلاقی کمالات کے باعث صرف ہندوستان اور پاکستان کا نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کا ایک ایسا متاعِ گرانمایہ اور سرمایہ بلند پایہ تھا کہ آج اس کے اُٹھ جانے پر جتنا بھی ماتم اور اُس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے:۔
حضرت مرحوم خود جلیل القدر بزرگ اور بزرگوں کی یادگار تھے۔ اُنہیں دیکھ کر اور اُن کی صحبت میں دو چار

سے لذا ذکر سلفِ صالحین کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ قدرت نے اُن میں دل اور دماغ دونوں کی خوبیاں اور ان کے خصائل و کمالات کچھ اس طرح بیک وقت جمع کر دیئے تھے کہ اُن کی ہستی "اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم" کا مصداق بن گئی تھی۔ وہ ایک طرف بہت بڑے عالم۔ مفسر، محدث اور فقیہ تھے تو دوسری جانب علوم عصریہ کے جامع تھے اور ان میں بہت ٹھوس استعداد رکھتے تھے۔ پھر معاملات میں سمجھ بوجھ اور سیاسی و دینوی امور و مسائل میں ان کی فرزانگی و دانشمندی کا یہ عالم تھا کہ جس طرح علما کی بزم کے وہ صدر نشین تھے اسی طرح اربابِ سیاست و تدبر کی محفل میں بھی اپنا مقام خاص رکھتے تھے "جو بات کہتے تھے" اور جو لفظ اُن کے قلم سے نکلتا تھا وہ اس قدر جچا تلا اور نپا تلا ہوتا تھا کہ کسی بڑے سے بڑے نکتہ چیں کے لئے بھی اُس پر حرف گیری آسان نہ ہوتی تھی۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے آنمرحوم کو سب ہی علوم اسلامیہ میں غیر معمولی درک و بصیرت اور فہم و فراست عطا فرمائی تھی تاہم آپ کا اصل طغرائے امتیاز تفقہ فی الدین تھا۔ بڑے سے بڑا پیچیدہ مسئلہ ان کے سامنے آتا تھا اور وہ قرآن و حدیث اور احکامِ فقہ کی روشنی میں اس کا صحیح حل اس طرح علیٰ وجہ البصیرت معلوم کر لیتے تھے کہ پھر کسی کے لئے اس کا خلاف کرنا آسان نہیں ہوتا تھا۔ یہی وہ صفت تھی جس کے باعث ملتِ بیضا نے ان کو مفتیٔ اعظم کا خطاب دیا تھا۔ اور کوئی شبہ نہیں کہ اس خطاب کا جامہ ان کے تفقہ کے قامتِ موزوں پر بالکل چست آتا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب رح کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ کافی غور و خوض اور تفکر و تدبر کے بعد کسی نتیجہ پر پہونچتے تھے اور اس وقت مسئلہ کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہوتا تھا جو ان کی نظرِ توجہ سے اوجھل رہ گیا ہو۔ اور پھر ان کا فیصلہ ایسا اور مستحکم ہوتا تھا کہ اس کو بدلوا دینا ممکن نہ تھا۔ اس حیثیت سے وہ بلاشبہ اسرار و غوامض شریعت کے بڑے محرم اور احکام و تعلیمات اسلام کے ایک دیدہ ور نباض تھے۔ ان کے فتوی مختصر مگر نہایت جامع اور مدلل ہوتے تھے۔ وہ عام اربابِ افتا کی طرح اپنی تحریروں میں کتبِ فقہ کی طول طویل عبارتوں اور مختلف اقوالِ ائمہ کے نقل کرنے کے عادی نہ تھے۔ مگر جتنا کچھ لکھتے تھے مسئلہ کی اصل روح اور اس کے اصل مغز کا حامل ہوتا تھا۔ اسی بنا پر ۱۹۲۶ء میں مکہ معظمہ کی موتمر عالم اسلام میں جمعیۃ علماء ہند کے صدر وفد کی حیثیت سے انہوں نے شرکت کی اور اس کے بعد قاہرہ کی موتمر میں تشریف لے گئے تو ہر جگہ حجاز، مصر اور عالم

اسلام کے دوسرے ملکوں کے علماء وفضلا نے آپ کے غیر معمولی تفقہ فی الدین اور اصابتِ رائے کو تسلیم کیا اور آپ کی علمی عظمت و برتری کا علانیہ اعتراف کیا۔ قاہرہ کے دورانِ قیام میں آپ کی علمی سیادت کا اعتراف اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا تھا کہ شیخ جامعہ ازہر علامہ مراغی جو اپنے عہدہ کی حیثیت سے شاہ مصر کے محل میں جانے کے علاوہ اور کسی کے مکان پر جا نہیں سکتے تھے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مزاج پرسی کے لئے دو مرتبہ آپ کے قیام گاہ پر تشریف لائے نہ صرف علماء مصر بلکہ پوری مصری قوم کی طرف سے یہ سب سے بڑا خراج عقیدت تھا جو عالم اسلام کی کسی عظیم المرتبت ہستی کو پیش کیا جا سکتا تھا۔

حضرت مفتی صاحب رح طبعاً نہایت ٹھنڈے دماغ۔ سنجیدہ فکر۔ متین طبیعت۔ اور مرنج ومرنجان مزاج کے بزرگ تھے۔ ہنگامہ آفرینی یا انقلاب پسندی سے ان کی طبیعت کو کوئی لگاؤ نہیں تھا لیکن اس کے باوجود ہندوستان کی تاریخ جد وجہد آزادی کے نہایت نازک دور میں جمعیۃ علماء ہند کے پہلے صدر کی حیثیت سے جب انہوں نے ایک نہایت اہم اور بھاری ذمہ داری اپنے سر لی تو اب وقت آیا کہ اُن کی قوتِ عمل اور کیرکٹر کی پوشیدہ خوبیاں بروئے کار آئیں۔ چنانچہ کانگریس کی تحریک آزادی اور جمعیۃ علماء ہند کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے اس تمام مدت میں جس تدبر۔ فراست۔ عزم وہمت۔ استقلال وپامردی اور راہِ حق میں بے خوفی وبیباکی کا ثبوت دیا ہے اسے دیکھ کر یہی کہا جا سکتا تھا کہ "ایں کار از تو آید ومرداں چنیں کنند"

حضرت مفتی صاحب کو اگر رئیس العلماء یا امیر العلماء کہا جائے تو ایسا کہنا صورۃً ومعنیً ظاہراً وباطناً دونوں طرح بالکل موزوں ہوگا۔ کیونکہ وہ جس طرح علم وفضل کے اعتبار سے رئیسِ علماء تھے معاشی خوشحالی اور مالی رفاہیت کے لحاظ سے بھی علماء میں انہیں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ انہوں نے ایک کتب خانہ قائم کر کے خود اپنی قوت بازو سے دولت پیدا کی۔ پھر ان کی کتاب تعلیم الاسلام کے مختلف حصے لکھ کر اس قدر مقبول ہوئے کہ اب تک لاکھوں کی تعداد میں ان کی اشاعت ہو چکی ہے اور ان کے ذریعہ ہزاروں روپیہ کا ان کو فائدہ ہوا۔ اس مالی رفاہیت اور معاشی فارغ البالی کے باعث وہ نہایت خودداری اور [illegible] رکھ رکھاؤ کے ساتھ رہتے تھے۔ خرچ کرنے کے موقع پر بے دریغ خرچ کرتے تھے۔ اور اس معاملہ میں بھی ان کا ہاتھ ہمیشہ اونچا